جاپان
کہانی
حکیم محمد سعید
RS.80

Rs. 80

نونہال ادب ۔ علم و ادب کے میدان میں ہمدرد کی نہایت پُرخلوص خدمت

جاپان کہانی

نوجوانانِ پاکستان کے لیے کہانی در کہانی

حکیم محمد سعید

صفحہ نمبر 14 لازماً پڑھنا
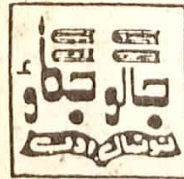
نونہال ادب

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی

ناشر : ہمدرد فاؤنڈیشن پریس

طابع : ماس پرنٹرز

اشاعت : ۱۹۹۶ء

تعداد اشاعت : ۲۰۰۰

قیمت : ۸۰ روپے

نونہال ادب کی کتابیں "نہ نفع، نہ نقصان" کی بنیاد پر شائع کی جاتی ہیں.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

جاپان کے بارے میں اُس کے مختلف ادوار میں مختلف آراء رہی ہیں۔ ایک "پس ماندہ" مُلک نے جب اپنی ماندگی دور کرنے کا فیصلہ کیا تو اس نے صنعت و حرفت کے میدانوں میں ثبات و استقلال کے ساتھ قدم رکھا اور آغازِ صدی سے جدّوجُہد کو جاری رکھا حتیٰ کہ آج صنعت و حرفت کے ہر میدان میں اہلِ جاپان نے اپنی برتری کو تسلیم کروا لیا ہے بالخصوص سائنس کے میدانوں میں اپنی برتری قائم کر کے جنگِ دوم عالمی میں اپنی عبرت ناک شکست کا بدلہ لے لیا ہے۔ شکستِ عبرت ناک کے متعدد پہلو ہیں۔ ان میں ہر ایک خود جاپان کی فوجی برتری کا اظہار ہے جس کی معذرت کے لیے شہنشاہ جاپان کو چین تک جانا پڑا۔ جب کہ جنرل ڈگلس میک آرتھر اُن کی اہانت بھی کر چکے تھے اور اوکی ناواوا میں امریکی افواج آج بھی تذلیلِ مشرق کو ضروری سمجھتی رہی ہیں اور امریکی استبداد کو دوام دینے میں کوشاں ہیں۔ یہ صورتِ حال مشرق کے حق میں نہیں ہے۔ اقوامِ زرد کے ساتھ اقوامِ مشرق کو اتحادِ فکری کا مظاہرہ کر کے مشرق و مغرب میں توازن قائم کرنے کی جدّوجُہد کرنی چاہیے۔ سیاحِ جاپان جناب محترم حکیم محمد سعید کے

مشاہدات اور تاثرات پر مبنی "جاپان کہانی در کہانی" اسی اندازِ فکر سے عبارت ہے۔ سعید سیّاح جاپان پر دو کتابیں پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ ان میں ان کے مخاطب نونہالانِ پاکستان تھے۔ جاپان کہانی میں ان کا خطاب نوجوانانِ پاکستان سے ہے جن سے تعمیرِ پاکستان کے لیے انھیں بہت سی اُمّیدیں وابستہ ہیں۔ اس کا اظہار جاپان کہانی میں جگہ جگہ ہوا ہے۔

رفیع الزماں زبیری

پہلا باب

میرے عظیم نوجوانو!

سورج مشرق سے نکلتا ہے، طلوع ہوتا ہے اور مغرب میں ڈوبتا ہے، غروب ہوتا ہے۔ کہنا چاہیے کہ اس طرح سورج انسان کو روزانہ یہ سبق دیتا ہے، یہ درس دیتا ہے کہ انسان خواہ مشرق میں ہو یا مغرب میں، اسے ایک ہونا چاہیے۔ جس طرح سورج ہر انسان کو بلا امتیاز اپنی روشنی سے روشن کرتا ہے، منوّر کرتا ہے، اسی طرح ایک انسان کو دوسرے انسان کو روشنی دینی چاہیے۔ سورج ہر انسان کے لیے صحّت کا سامان کرتا ہے۔ صحّت کی نوید دیتا ہے، اسی طرح ایک انسان کو دوسرے انسان کو صحّت کا پیغام دینا چاہیے۔ مشرق اور مغرب میں امتیاز ختم ہونا چاہیے۔ ان کو بھائی بھائی ہونا چاہیے۔ سورج میں ایک رنگ تو نہیں ہوتا۔ اس کی روشنی میں سات رنگ ہوتے ہیں۔ یہ سات رنگ ایک جگہ جمع ہیں۔ اسی طرح انسان کو ایک جگہ جمع ہونا چاہیے۔ کالے گورے، بھورے اور زرد انسانوں کو ایک رنگ ہونا چاہیے۔ سورج کی شعاعیں سب کے لیے یکساں ہیں۔ امیر اور غریب، کالا اور گورا، براؤن اور زرد ہر انسان کو سورج اپنی شعاعیں دیتا ہے۔ اسی طرح ہر

انسان کو دوسرے انسان کے لیے تابندگی اور روشنی کا سامان کرنا چاہیے۔ یعنی ہر انسان کو سورج بن جانا چاہیے۔ سورج کے چہرے کی طرح ہر انسان کے چہرے کو چمک دار اور روشنیوں والا ہونا چاہیے۔ سورج کی حرارت گرمی ہر انسان کو حرارت دیتی ہے، گرمی پہنچاتی ہے۔ بالکل اسی طرح ہر انسان کو اپنی محبّت کی گرمی سے دوسرے انسان کو حرارت دینی چاہیے، محبّت دینی چاہیے۔

شقّ القمر!

نوجوانو! جب انسان نے سرزمین چاند پر قدم رکھے تو اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی، اور یہ تعجب آج بھی جاری ہے کہ چاند کی پوری لمبائی میں آدھوں آدھ ایک لکیر ہے۔ آخر یہ کیا ہے؟ درحقیقت یہ چاند کے دو ٹکڑے ہوجانے کا نشان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول، نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ معجزہ ہے کہ ان کے اشارے پر چاند دو حصّوں میں تقسیم ہوگیا۔ عربی میں اسے شَقّ القَمَر کہتے ہیں۔

نونہالو! ایک شاعر نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے :

معجزہ شَقّ القَمَر کا ہے مدینہ سے عیاں
مہ نے شق ہوکر لیا ہے دین کو آغوش میں

ذرا غور کریں۔ "مدینہ" میں پہلا حرف "م" ہے اور آخری ہ ہے۔ یہ مہ بنا، اس کے معنی ہیں چاند۔ م اور ہ جب شق ہوئے اور ایک دوسرے سے دور ہوئے تو درمیان د ی ن رہ گئے، یعنی دین! اب یہ شعر تمھاری سمجھ میں آجائے گا۔

نوجوانو! عرب سائنس دانوں نے خلا میں جانے کی کوششیں کی تھیں۔ یہ بات عرب سائنس دانوں پر ظاہر تھی' عیاں تھی کہ چاند بھی ایک دنیا ہے اور زمین سے قریب ہے۔ انھوں نے خلا(Space) میں "جہاز" بھیجنے کی کوششیں کیں اور ایسے تجربات کیے کہ اگر فی الحال انسان وہاں نہ جاسکے تو کم از کم "اسپوتنک" ہی جاسکے۔ میں نے خود اپنے کانوں سے ریڈیو پر سنا کہ جب روس نے خلا میں جہاز(اسپوتنک) روانہ کیا تو کہا: یہ تکنیک ہم نے عرب سائنس دانوں کی تحقیق اور بڑی کاوش سے اکٹھی کی ہے۔ روس نے عربوں ہی کی تکنیک کو آگے بڑھایا اور خلا میں اسپوتنک روانہ کرنے میں کام یابی حاصل کرلی۔

روس کے بعد امریکا اس میدان میں آگے بڑھا۔ اس نے اپنے ہاں ہیوسٹن' ٹیکساس میں سائنس کی لیبورٹریاں قائم کردیں۔ میں خود امریکا میں ہیوسٹن کے اسپیس سنٹر میں جاکر ان کو دیکھ آیا ہوں' مگر یہ تحقیق نہ ہوسکی کہ امریکا نے کیا حکیم ابوالمقنع کی تکنیک کو آگے بڑھایا ہے یا کیا؟ R

حکیم ابوالمقنع نے ایک چاند بنایا تھا۔اس نے تیزابات میں اس مصنوعی چاند کو محفوظ کیا تھا۔ رات کے اندھیاروں میں حکیم ابوالمقنع اس چاند کو کنویں سے اوپر آسمان میں بھیج دیا کرتا تھا اور سات میل تک ماحول روشن ہوجایا کرتا تھا۔

ظاہر ہے کہ یہ عرب تکنیک تھی جس کا ذکر کتابوں میں ہے' مگر اصل کتاب(مخطوطہ) غالباً روس کے ہاتھ لگا ہے۔۹ ویں صدی تا ۱۵ ویں صدی اسلام کے روشن دور کی تالیفات' کتابیں دنیا بھر میں تو ہیں' مگر سائنسی ذخیرہ

تاشقند میں ہے۔ روس نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے، اور حکیم ابوالمقنع کی تکنیک کو آگے بڑھا کر خلا میں اسپوتنک بھیج دیا۔ اسی تکنیک کو امریکا نے آگے بڑھایا اور پہلے چاند تک انھوں نے راکٹ روانہ کیے اور آخرکار انسانوں کو روانہ کردیا جنھوں نے "چاند نوردی" کا فخر حاصل کیا ہے۔ اس تحقیق کا سہرا روس اور امریکا کے سائنس دانوں کے سر بندھتا ہے، مگر ان دونوں میں یہ اخلاقی جرات نہیں ہے کہ وہ اصل تحقیق کا اعتراف کریں! اس معاملے میں یہ دیانت دار نہیں ہیں اور نہ ہوسکتے ہیں۔

استنبول (ترکی) کی سائنس یونی ورسٹی میں میں نے دیکھا کہ آب رسانی کے نظام پر انھوں نے ایک عرب مخطوطے کو سامنے رکھ کر جو ماڈلز تیار کیے ہیں ان سے ثابت ہوگیا ہے کہ زراعت کے میدانوں میں ان عربوں کی آب رسانی کی تربیت آج بھی سب نظاموں پر فائق ہے۔

تیس لاکھ مخطوطات

نوجوانو! عرب دور، بلکہ اسلامی دور کی لکھی ہوئی یہ اصل کتابیں اس وقت دنیا کی لائبریریوں میں تیس لاکھ سے کم نہیں ہیں۔ تمام مسلمان اور عرب ملک ان کتابوں کو حاصل کرکے جمع کررہے ہیں اور ان کی نمائش کررہے ہیں، مگر کسی ایک امیرترین عرب ملک نے اور کسی اسلامی ملک نے ان تیس لاکھ کتابوں کو آج تک دیکھا بھی نہیں ہے کہ آخر ان میں کیا کیا لکھا گیا ہے۔ یہ ہے علم سے بے رغبتی، حکمت سے لاتعلقی۔

میرے نوجوانو! جب کوئی قوم علم سے بے رغبت ہوجاتی ہے تو پھر اس کا زوال شروع ہوجاتا ہے اور آخرکار وہ کاملاً زوال آشنا ہوجاتی ہے۔ آج

اگر مسلمان دنیا میں ہیچ ہیں، بے عزت ہیں، بے آبرو ہیں، بے علم ہیں تو صرف اس وجہ سے کہ علم سے ان کا رشتہ ٹوٹ گیا ہے۔ ورنہ چاند کی تسخیر ان ہی کا مقدر ہوتی!

چاند کو جب سے امریکا نے مسخّر کیا ہے اس کے بعد سے امریکا غرور میں آگیا ہے۔ سائنس میں اسے اعلا مرتبہ حاصل ہوگیا ہے۔ جرمنی کے سائنس داں آئن شٹائن نے امریکا کو ایٹم بنا کر دے دیا ہے۔ اب ہائیڈروجن بم کی تکنیک تک بات پہنچ گئی ہے۔ اس طاقت سے امریکا اب دنیا کو مسخّر کرنا چاہتا ہے۔ اس کا ارادہ تو دوسرے سیاروں پر کمندیں ڈالنے کا تھا، مگر اس نے پہلے اسلامی ممالک پر کمندیں ڈالنی شروع کردی ہیں۔

یہ سارے عرب ممالک، اسلامی ممالک علم سے دور ہوگئے ہیں۔ عالم سے محروم ہوگئے ہیں، تعلیم و تربیت سے غافل ہوگئے ہیں اس لیے امریکا کی طاقت علم و حکمت نے جہالت کی تاریکی میں ڈوبتے ہوئے عربوں اور مسلمانوں کو زیر کرلیا ہے۔

امریکا کو دولت پہلے عالمِ یہود سے ملی اور اب عرب دولت بھی اس کے ہاتھ میں آگئی ہے۔ نوجوانو! تم نے دیکھا کہ اب امریکا نے عربوں کو یہودیوں کی غلامی میں دینا شروع کردیا ہے۔ اب جہاں امریکا ہے وہاں یہودی اس کے ساتھ ہیں۔ کہنا چاہیے کہ امریکا یہودی کی دولت سے آگے بڑھ رہا ہے اور نہایت خاموشی کے ساتھ یہودی نظام کو رائج کرتا چلا جارہا ہے۔ عرب ملکوں کے بعد دوسرے اسلامی ملک بھی یہودیوں کی طاقت کا لوہا مان چکے ہیں۔ اس لیے یہودی حکومت قائم ہوئی چلی جارہی ہے۔ اب یہودی مدینہ کو

یثرب بنانے کا تہیہ کرچکے ہیں۔اس کے بعد سارا عرب ڈوب مرے گا اور سارا عالمِ اسلام یہودیوں کے زیرِ اثر آجائے گا۔ پاکستان کے ایک عمران خان کا انتخاب ہوا ہے۔یہودی ٹیلے وژن اور پریس نے عمران خان کو ہاتھوں ہاتھ لیا ہے۔ سی این این، بی بی سی سب عمران خان کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملارہے ہیں۔ برطانیہ، جس نے فلسطین تقسیم کرکے یہودی حکومت قائم کرائی، وہ ایک طرف عمران خان کو آگے بڑھارہا ہے اور دوسری طرف آغاخان کو ہوائیں دے رہا ہے۔ برطانیہ الطاف حسین کا مربّی بنا ہوا ہے اور اب نکیل یہودیوں کے ہاتھ میں دے دی گئی ہے اور کانوں کان خبر نہیں ہورہی ہے۔ اب عمران خان کی شادی یہودیوں میں کرادی ہے۔ پاکستان کے ذرائع ابلاغ کو کروڑوں رُپے دیے جارہے ہیں تا کہ عمران خان کو خاص انسان بنادیا جائے۔ وزارتِ عظمیٰ پاکستان کے لیے ان کو ابھارا جارہا ہے۔ محترمہ بے نظیر پہلے تو عمران خان پر برسی تھیں، مگر اب انھوں نے عمران خان کے خسر کو کھانے پر مدعو کیا۔ اسی عنوان نائب صدر امریکا نے عمران خان کو لنچ پر بلالیا۔ میاں نواز شریف بھی ساتھ مدعو تھے۔

نوجوانو! کیا اب پاکستان کی آئندہ حکومت یہودی الاصل ہوگی؟

یہ سیلاب بڑی تیزی سے آرہاہے۔ اس پر بند باندھنا مشکل ہورہا ہے۔ محترم جناب میاں نواز شریف کا تازہ ترین بیان یہ ہے کہ وہ پاکستان کو امریکا کی غلامی سے نجات دلائیں گے۔امریکا محترمہ بے نظیر کو اقوامِ متحدہ لے جاکر بٹھادے گا۔ یہ ان کی خدمات کا صلہ ہے۔ میاں صاحب کو قصرِ صدارت میں طاقت کے ساتھ بٹھادیا جائے گا اور عمران خان مع اپنی یہودن ایوانِ

وزیراعظم میں جاکر بٹھادیے جائیں گے۔ ایک مہرے کو امریکا سنبھالے گا اور ایک مہرہ یہودی کے ہاتھ میں ہوگا۔

عظیم نوجوانو!

عظیم پاکستان کی قسمت کا یوں سودا ہوا ہے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ہاں تو بات سورج کی ہو رہی تھی میرے عزیزو! مگر میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ اب میں جاپان جارہاہوں۔ اس جاپان کا قومی پرچم، ملی عَلم نہایت معنیٰ خیز ہے۔ اس پر سورج بنا ہوا ہے۔ وہی سورج جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ آج جاپان کی صورت یہ ہے کہ اس سے دنیا کا ہر ملک آرام محسوس کررہا ہے۔ جاپان بہت سے ملکوں کو راحت پہنچارہا ہے۔

جاپان کی یہ محبت امریکا کو سخت ناپسند ہے۔ وہ اب یہ دیکھ رہا ہے کہ اسلام کا چاند اور جاپان کا سورج دونوں مل رہے ہیں۔ امریکا چاہتا ہے کہ عالمِ اسلام کو جاپان کی طرف سے کوئی مدد نہ ملے۔ وہ مسلمانوں کو ختم کردینا چاہتا ہے۔ برطانیہ کے وزیراعظم جان میجر بھی کہہ چکے ہیں کہ وہ مسلمان کو دیکھنے کو تیار نہیں ہیں۔ اس لیے برطانیہ پاکستان کے لیے خطرات پیدا کررہا ہے۔ قادیانیت کے بعد نارتھ پاکستان میں آغاخانیت کو ہوائیں دے رہا ہے۔ بہ الطاف کریمانہ پاکستان کی اینٹ سے اینٹ بجارہا ہے۔

ان دنوں امریکا نہ صرف جاپان کو دبا رہا ہے بلکہ چین کو بھی دانت دکھارہا ہے۔ بھیڑیے کے ان دانتوں کو بند کرنے کا مشورہ صدر نکسن نے

دیا تھا۔ صدر نکسن کو یاد تھا کہ نپولیاں بونا پارٹ نے کہا تھا کہ چین کو سونے دو۔ اگر اسے جگاؤ گے تو چین دنیا کو ہلا کر رکھ دے گا! صدر نکسن کی رائے صحیح تھی کہ امریکا چین کو دبانے کی آرزو میں خود پریشان ہو جائے گا۔ خود امریکا کا اپنا حال شدید زوال کا ہے۔ اخلاق کے اس شدید زوال میں چین سے مٹھ بھیڑ امریکا کی تباہی کا عنوان بنے گی۔ امریکا اب وہ ملک ہے جہاں شادی بیاہ' نکاح اور خاندان سب لایعنیٰ ہوئے ہیں۔ جانوروں کی طرح مرد عورت مل رہے ہیں۔ لاکھوں نونہال دولت کی لپیٹ میں اپنی عزّتیں فروخت کرر ہے ہیں اور امریکی کلنٹن قانون دولت مندوں کو ہوس کی اجازت دیتا ہے۔

امریکا کی تمنّا ہے کہ چین اور جاپان کو اپنے زیر نگیں لایا جائے۔ امریکا مشرق کو اب جنگ میں الجھانا چاہتا ہے۔ عالمِ عرب کو وہ باہم الجھاکر کمزور کرچکا ہے۔ پاکستان کو خرید چکا ہے۔ ایران پر اس کے دانت ہیں۔ ہندُستان کو سمجھا بجھا رہا ہے۔ وہ چنگیز خاں' سکندر اعظم سب کو مات دینا چاہتا ہے۔

نوجوانو! بہ الفاظ دیگر امریکا اب خود موت کی طرف جارہا ہے۔ انشاء اللہ عالم اسلام کا چاند' چین کے ستارے اور جاپان کا سورج مل کر اب ایک نئی تاریخ لکھیں گے جو انسانیت اور شرافت کا عنوان ہوگی۔

معمارِ حرم!

بازبہ تعمیر جہاں خیز

نوجوانو! انسان جب اپنی زندگی کے عملی میدان میں قدم رکھتا ہے تو اس کی سوچ اور فکر ملکی اور مقامی سطح پر ہوتی ہے۔ اس طرح وہ مقامی اور ملکی سطح پر کام کرتا ہے۔اس کی عقل کی اٹھان اس سے زیادہ آگے نہیں

جاتی۔ دنیا میں اکثر انسان زندگی بھر اسی سطح پر رہتے ہیں۔اسی خول میں رہتے ہیں اور اس خول سے باہر نہیں آتے کیونکہ ان کی سوچ مقامی ہوتی ہے۔

سوچو مقامی سطح پر، عمل کرو مقامی سطح پر

بہت سے بدقسمت لوگ تو ایسے ہیں کہ وہ اپنے ماحول کے خول میں رہتے ہیں اور اس سے باہر آنا ان کو نصیب نہیں ہوتا۔ اس کی مثال پاکستانی سیاست داں ہیں۔ سوائے چند کے باقی سب کے سب قومی اور ملکی سطح تک رسائی حاصل نہیں کرسکتے۔ اپنے گاؤں گوٹھ سے زیادہ سوچ ہی نہیں سکتے۔ یہ سب کے سب بدقسمت ہیں اس لیے پاکستان کی قسمت کو خراب کرتے ہیں۔

نوجوانو! بہت سے خوش قسمت انسان ایسے ہیں جو عالمی سطح پر سوچتے ہیں،غور کرتے ہیں۔عالم کے حالات دیکھتے ہیں، ملک ملک کے شب و روز دیکھتے ہیں، فکر کرتے ہیں اور پھر غوروفکر کے بعد مقامی سطح پر عمل کرتے ہیں۔ایسے لوگ پاکستان کی تعمیر کا جذبہ پیدا کرلیتے ہیں۔ وہ دنیا میں جو اچھائیاں دیکھتے ہیں جب پاکستان میں ان کو نہیں پاتے تو پاکستان میں یہ اچھائیاں لانے کی فکر کرتے ہیں۔ عمل کرتے ہیں۔ پاکستان میں ایسے خوش قسمت انسان کم ہی ہیں، مگر ہیں ضرور۔اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرا شمار ایسے لوگوں میں ہوتا ہے۔ مگر میرے جیسے خوش قسمت انسان ان بدقسمت انسانوں کے نرغے میں ہیں جن کی سوچ بھی مقامی اور جن کا عمل بھی مقامی ہوتا ہے بلکہ ان کی سوچ اپنے گاؤں گوٹھ سے آگے نہیں جاتی۔ پاکستان میں یہ بدقسمت انسان اقتدار میں ہیں اور طاقت ان کے ہاتھ میں ہے۔ ان بدقسمت لوگوں نے پاکستان میں

خوش قسمت انسانوں کی زندگی اجیرن کرر کھی ہے۔

نوجوانو! خوش قسمت انسان جو دنیا کی سطح پر حالات کا مطالعہ کرتے ہیں اور پاکستان کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں، تعمیر کا جذبہ اور آرزو رکھتے ہیں ان کو بد قسمت پاکستانیوں نے دبا رکھا ہے۔ان کے راستے بند کرر کھے ہیں۔ ان کی زندگی عذاب میں کرر کھی ہے۔

نوجوانو! ایک مثال دیتا ہوں، ذرا غور کرنا۔

میں جب خوش قسمتی سے صوبہ سندھ کا گورنر تھا تو میں نے دنیا میں دیکھا کہ چھوٹے چھوٹے ملکوں میں شہر در شہر یونی ورسٹیاں قائم ہیں اور نوجوان دل لگاکر علم حاصل کررہے ہیں اور اپنے وطن کی تعمیر کا سامان کررہے ہیں۔ میں نے گورنر بنتے ہی اپنے سندھ صوبے میں چار یونی ورسٹیاں قائم کردیں اور ان میں سے تین یونی ورسٹیوں کا حال یہ ہے کہ ان میں جگہ نہیں ہے۔ نوجوان تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

نوجوانو!

بہت کم ایسے خوش قسمت انسان ہوتے ہیں عالمی سطح پر، یعنی دنیا ان کے سامنے ہوتی ہے اور وہ عمل کرتے ہیں عالمی سطح پر۔ یعنی عمل کے لیے دنیا ان کے سامنے ہوتی ہے۔ایسے خوش قسمت انسانوں پر اللہ تعالیٰ کا سایہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے ایسے نیک بندوں کے لیے راہوں کو ہموار کردیتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایسے خوش قسمت انسانوں کی فہرست میں میرا نام بھی ہے جو سوچتے بھی ہیں عالمی سطح پر اور عمل بھی کرتے ہیں عالمی سطح پر۔

نونہالو! دنیا میرے آگے ہے! میں اب دنیا کے ہر انسان کی اچھائی کے لیے سوچنے کے قابل ہوں اور دنیا کے ہر انسان کی خدمت کرنے کے لیے اپنے دل میں فراواں جذبات رکھتا ہوں۔ میں آج دنیا کی بڑی بڑی انجمنوں میں کام کرتا ہوں۔ میں آج دنیا کے سب سے بڑے اداروں میں برسرِ عمل ہوں۔ آج دنیا کے لوگ مجھے جانتے پہچانتے ہیں۔

دوسرا باب

نوجوانو! ڈاکٹر سگانامی صاحب نہایت مستعد جاپانی ہیں۔ ویسے تو جاپان میں زیادہ لوگ مستعد ہیں اور ہر وقت حرکت میں رہتے ہیں، چلتے نہیں ہیں بھاگتے ہیں، مگر ڈاکٹر سگانامی ذرا زیادہ ہی مستعد ہیں۔ ان سے میری پہلی ملاقات کوبے (جاپان) میں ہوئی تھی۔ یہ کوئی پانچ سال پہلے کی بات ہے۔ میں عالمی ادارۂ صحت (ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن) کی ایک کانفرنس "نباتات سے صحت" (Health from Herbs) میں شرکت کے لیے آیا تھا۔ یہ کانفرنس کوبے میں ہوئی تھی۔

یہ وہی کوبے شہر صنعت ہے کہ زلزلہ نے دو منٹ میں اسے الٹ پلٹ دیا اور بڑے بڑے پُل منٹ بھر میں الٹ کر گر پڑے۔ جاپان زلزلوں کی زد میں ہے۔ چھوٹے چھوٹے جھٹکے تو اب بھی آتے ہی رہتے ہیں۔

میرے دوست ڈاکٹر محمد رئیس صاحب کوئی ۲۲۔۔۲۳ سال سے اوکایاما میں رہتے ہیں۔ خوب رواں جاپانی زبان بولتے ہیں۔ ڈاکٹر سگانامی سے انھوں نے ملاقات کرائی تھی۔

نوجوانو! ڈاکٹر سگا نامی صاحب نے ایک فاؤنڈیشن قائم کیا ہے۔ وہ ایشیا اور افریقہ کے ڈاکٹروں کو یک جا کرنا چاہتے ہیں۔ جب ان سے کوبے میں تفصیل کے ساتھ باتیں ہوئیں تھیں، تبادلِ خیال ہوا تھا، میں نے اس خیال کی پوری تائید کی تھی۔ میں نے کہا تھا کہ مشرق کو اب اپنی حفاظت کا سامان اپنے اتحاد سے کرنا چاہیے اور اپنی ثقافت کی حفاظت کرنی چاہیے اور اپنے علمی ورثوں کو محفوظ کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر سگا نامی اور ان کے رفیق اور ساتھی مستعدی کے ساتھ کام کررہے ہیں۔ جب وہ کراچی آئے تھے، اور ہمدرد کے مہمان بنے تھے، اس وقت بھی وہ پاکستان میں اپنے اسی خیال کی تائید چاہتے تھے، اور اس کے لیے انھوں نے کئی اداروں سے رابطہ قائم کیا تھا۔ پھر وہ کابل اور پشاور بھی گئے تھے تا کہ دیکھیں کہ ایشیا افریقہ کے ڈاکٹر وہاں بگڑی صحت کے معاملات میں کیا مدد کرسکتے ہیں۔

۹۵۔ این جی۔ او سمٹ

نوجوانو! ڈاکٹر سگا نامی نے مجھے شاید اس سال جنوری میں لکھا تھا کہ اب وہ ایک این۔جی۔او کانفرنس کرنا چاہتے ہیں۔ یہ این جی او (N-G-O) اب دنیا کا ایک بڑا نام ہے۔ اس کا پورا نام ہے : نان گورنمنٹل اورگنائزیشن (Non-Governmental Organization) یعنی وہ تنظیمیں (اور لوگ) جو حکومت سے باہر ہیں، حکومت کی مدد کے بغیر، اپنی دولت سے کارہائے خیر کرتے ہیں۔

نوجوانو! یہ آج کے زمانے کی بات ہے۔ آج سے چودہ سو سال پہلے اسلام نے انسان کو انسان کی خدمت کرنے کا تصوّر دیا تھا۔ زکوٰۃ اور عشر کا

نظام قائم کرکے اس رقم سے بھلائی اور فلاح کے کام کرنے کا اصول بتایا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے رسولؐ نے اس نظام کو قائم کرکے اسے لازمی قرار دیا تھا اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے رسولؐ نے ہر میدان میں انسان کو انسان کے لیے آرام پہنچانے پر زور دیا۔ انھوں نے ہر انسان کو انسان کا دوست بنادیا۔

اب میں اس این۔جی۔او کانفرنس میں شرکت کے لیے اوکایاما (Okayama) جارہا ہوں۔ یہ جاپان کا ایک نہایت صاف ستھرا شہر ہے۔ یہاں پھل سب سے زیادہ پیدا ہوتے ہیں، اور یہاں تہذیبی اور ثقافتی سرگرمیاں خوب رہتی ہیں۔ اب میں جب وہاں پہنچوں گا تو پھر تم نوجوانوں کو وہاں کا آنکھوں دیکھا حال بتاؤں گا۔

ابھی تو ایک لمبا سفر درپیش ہے!

ہفتے کے دن صبح میں ساڑھے پانچ بجے ہی مطب پہنچ گیا اور شام کے پانچ بجے تک زیادہ سے زیادہ مریضوں کی خدمت کرتا رہا۔ مریضوں کو معلوم ہوگیا کہ میں سفر پر جارہا ہوں، اس لیے بہت زیادہ خواتین اور نونہال مطب میں آتے رہے۔ میں ان کی خدمت کرکے خوش ہوتا رہا۔ گھر آیا تو ڈاک آچکی تھی اور بھی کئی مصروفیات تھیں۔ رات کے آٹھ بجے تک میں اپنی میز پر ڈٹا رہا۔ صبح تین بجے سے چار بجے تک عبادت کی۔ چار بجے میز پر آکر کام کیا۔ مطب میں کوئی بارہ گھنٹے مریضوں کی خدمت کا شرف حاصل کیا۔ رات آٹھ بجے تک قلم ہاتھ میں رہا۔ شام روزہ افطار کرنے کے بعد نمازِ مغرب ادا کرکے میں نے سعدیہ بیٹی اور خانم ڈسلوا کو بلایا اور ان کو ضروری ہدایات دیں۔ یہ ہدایات اپنی کتاب نباتات کے بارے میں تھیں۔ آج اس کتاب

کا اچھا نام بھی رکھ دیا ہے۔ کوئی چار سو صفحوں کی انگریزی زبان میں میری یہ کتاب اب شرقِ اوسط (مڈل ایسٹ) کے میڈیکل کالجوں میں پڑھائی جانے کے لیے ہے۔

دس بجے رات سو گیا تھا۔ دو بجے صبح اٹھ گیا۔ نمازِ تہجد ادا کرکے میں تیار ہو گیا اور سوا تین بجے ہوائی میدان روانہ ہو گیا۔ منع کرنے کے باوجود سعدیہ' خانم ڈسلوا' آمنہ اور راشد منیر احمد ہوائی میدان آئے۔ ان سے رخصت ہو کر میں اندر چلا گیا۔ جناب فیروز صاحب نے مجھے اور فاطمہ کو ہوائی جہاز میں بٹھا دیا۔

پاکستان انٹرنیشنل ائرلائنز

میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اچھا یا 'برا' میں پاکستان کے جہاز سے ٹوکیو (دارالحکومت جاپان) جاؤں گا۔ اس بار میں نے فیروز صاحب کو ہدایت کر دی تھی کہ میں اکونومی کلاس ہی میں سفر کروں گا۔ مجھے بزنس کلاس میں جگہ لے کر دینے کی کوئی کوشش نہ کریں۔ مجھے شرم آتی ہے کہ میں ٹکٹ تو اکونومی کلاس کا لوں اور جا کر بیٹھ جاؤں بڑی کلاس میں۔ اس کے باوجود پاکستان ائرلائنز نے مجھے بزنس کلاس کا ٹکٹ دے دیا اور مجھے مجبوراً اعلا کلاس میں بیٹھنا پڑا۔ میں نے پہلے ہی اپنا موڈ یہ بنایا تھا کہ میں جہاز میں تحریری (لکھنے کا) کوئی کام نہیں کروں گا' بس مطالعہ کروں گا۔ اب بزنس کلاس میں تو آرام زیادہ تھا' مگر باوجود کوشش پڑھنے کا موڈ طاری نہ ہوا۔ سونا چاہتا تھا' مگر نیند بھی نہ آئی۔

جہاز کا عملہ خوب مستعد تھا۔ انھوں نے میرا خوب احترام کیا اور ہر

عملے نے از کراچی تا ٹوکیو میرا خیال رکھا۔ میں پی آئی اے کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

ہوائی جہاز جمبو جیٹ ہے۔ اس کی اڑان نسبتاً آرام دہ ہوتی ہے۔ کراچی سے اڑے اور پہلے اسلام آباد جاکر اترے۔ جہاز لیٹ ہوگیا۔ کپتان نے معذرت چاہی، مگر وجہ نہیں بتائی۔ پھر اڑے تو کوئی چھے گھنٹے میں ہم چین کے دارالحکومت بیجنگ کے ہوائی میدان جاکر اتر گئے۔

بیجنگ کا ہوائی میدان

میرے لیے تو یہ بیجنگ کا ہوائی میدان کوئی نئی چیز نہ تھا، مگر میں چاہتا تھا کہ میں فاطمہ کو یہاں کی سیر کرادوں۔ سیکورٹی کا عملہ چین کا تھا۔ ایک نے اجازت دے دی۔ میں اور فاطمہ تیار ہو کر باہر آئے، مگر دوسرے عملے نے ہوائی میدان کی عمارت میں جانے سے روک دیا۔ میرا دل دکھا۔ اچھا تھا فاطمہ ذرا چین کی سیر کرلیتیں۔

اب اہلِ پاکستان کے بارے میں چین کا مزاج بگڑ گیا ہے۔ اب چین پاکستان سے خوش نہیں ہے۔ ہم نے امریکا کی غلامیاں قبول کر کے اپنے ایک نہایت اچھے دوست کو ناخوش کردیا ہے۔ پھر چینی مددگاروں کا اغوا سندھ میں ہوا۔ ان کو ڈاکوؤں نے ایذائیں پہنچائیں۔ امریکا چین کو زیر کرنے کی جو ناروا تدبیریں کررہا ہے پاکستان نے اس کی ذرا تکلیف محسوس نہیں کی ہے۔ وزیر اعظم پاکستان اس قدر دباؤ میں ہیں کہ وہ چین کے بارے میں کوئی بات امریکا کی مرضی کے بغیر کر ہی نہیں سکتیں۔ پاکستان میں محترمہ بے نظیر بھٹو کے لیے جو حالات پیدا ہوتے چلے جارہے ہیں ان کی وجہ سے ان کا پاکستان

میں رہنا شاید ہی ممکن ہو سکے۔ اسی لیے ان کے اعلا دماغ شوہر نے فرانس میں اپنے قیام کے لیے ایک محل تعمیر کرلیا ہے جو آغاخاں کے محل کے سامنے ہے مگر اس سے بڑا ہے۔ جناب آصف زرداری صاحب نے اب اس قدر سرمایہ جمع کرلیا ہے کہ ان کو اب یہ کہنا آگیا ہے کہ وہ آغاخاں سے بڑے ہیں اور یہ کہ انؔ کے پاس اب ۲۵ بلیون ڈالر ہیں۔

نوجوانو! گزشتہ سال پاکستان کے دولت مند اور زمیندار صدر، جن پر مہران بنک کے ہاتھ اپنی بنجر زمینیں فروخت کر کے ناجائز فائدہ اٹھانے کا الزام بھی ہے، جب چین جارہے تھے تو میں نے تامّل اور خوف کے بغیر ان کو تحریری صورت میں بتادیا تھا کہ ان کا چین میں استقبال نہیں ہوگا اور ایسا ہی ہوا۔ ہوائی میدان پر ان کا استقبال معمولی مرتبے کے پروٹوکول افسر نے کیا اور جناب صدر بے نیل مرام پاکستان واپس آگئے۔ اچھی سیرِ چین ہوگئی! نہ جانے پھر کبھی ان کو موقع ملے کہ نہ ملے!

ٹوکیو ائرپورٹ---ناریتا!

بیجنگ سے ہوائی جہاز نے ۴ اڑان شروع کی اور ساڑھے تین گھنٹے میں ٹوکیو پہنچادیا۔ میرا سفر یہاں ختم ہوا۔ باہر آیا تو جناب محترم وسیم باری صاحب خود بہ نفسِ نفیس موجود تھے۔ ان کا نہایت اچھا عملہ بھی تھا۔ ٹوکیوائرپورٹ کا عملہ نہایت مستعد تھا۔ اس نے مسافروں کو پانچ منٹ کے اندر اندر فارغ کردیا۔ اب نیچے آئے تو سامان آچکا تھا۔

یہ جاپان کے لوگ بھی ہماری طرح انسان ہیں۔ جدّہ کے ہوائی میدان پر پاس پورٹ پر آمد کی مہر لگانے کے لیے ڈیڑھ گھنٹہ لگا۔ اب ٹوکیو کے ہوائی

میدان پر ڈیڑھ منٹ! جب انسان کو انسان کے دکھ اور تکلیف کا احساس جا
رہتا ہے تو پھر محبت اور احترام بھی رخصت ہوجایا کرتے ہیں۔

محترم جناب ڈاکٹر زکی حسن

نوجوانو! محترمی جناب ڈاکٹر زکی حسن کا میں بے حد احترام کرتا
ہوں۔ نہایت پیارے انسان ہیں۔ ماہرِ نفسیات ہیں، عالم ہیں، اچھے معالج
ہیں۔ اب بقائی یونی ورسٹی کے وائس چانسلر ہیں۔ اچانک معلوم ہوا کہ وہ اسی
ہوائی جہاز میں ہیں! بڑی حیرت ہوئی اور حیرت پر حیرت اس سے ہوئی کہ ٹوکیو
میں رات کے قیام کا ان کے لیے کوئی انتظام نہیں ہے! ان کو کیا معلوم کہ ٹوکیو
ہوائی میدان ناریتا سے شہر کا فاصلہ ۸۵ کلومیٹر ہے اور یہ کہ ٹوکیو کے ہوٹلوں
میں جگہ ملنا آسان نہیں ہے۔ بے حد مشکل ہے۔ میں نے ان کو روکا کہ و
خود جدّوجُہد نہ کریں۔ میں ان کا انتظام کروں گا اور اس میں پون گھنٹہ لگ
گیا۔ اتفاق سے ڈاکٹر زکی حسن صاحب کے ایک دوست ٹوکیو میں ہیں۔ ان
سے رابطہ ہوگیا اور انھوں نے مجھ سے کہا کہ اب انصار حسین صاحب ٹوکیو
ریلوے اسٹیشن سے انھیں آکر اپنے گھر لے جائیں گے۔ مجھے اطمینان ہوگیا۔
لیموزین میں ان کو سوار کرادیا۔ ہوائی میدان سے شہر کا راستہ کم از کم ڈیڑھ
گھنٹے کا ہے!

دولت خانہ وسیم باری!

جناب محترم وسیم باری صاحب اور ان کی نہایت شائستہ بیگم نے
میرے اور فاطمہ کے قیام کے لیے پورا انتظام کر رکھا تھا۔ رات کے ۱۲ بج
چکے تھے۔ نمازِ عشاء ادا کرکے میں لیٹ گیا۔ معلوم نہ ہوسکا کہ طلوعِ آفتاب

یہاں کب ہے۔ فجر کی نماز کا وقت کیا ہے۔ خیر، اللہ مالک ہے!

ناشتہ!

کل پاکستانی جہاز میں شرم کی وجہ سے میں نے اور فاطمہ نے بالکل کچھ نہیں کھایا۔ نہ ناشتہ، نہ لنچ اور نہ ڈنر۔ اگر اکونومی میں ہوتا تو ناشتہ ضرور کرلیتا۔ ہاں ڈنر کے وقت میں نے ذرا سی ڈبل روٹی لے لی اور مکھن لگا کر وہ کھالی۔ باقی ہر چیز واپس کردی۔ اب صبح چوہوں نے جوگنگ شروع کردی۔ پیٹ سے آوازیں آرہی تھیں۔ محترمہ بیگم وسیم باری نے میرے لیے جوس رکھا ہوا تھا۔ میں نے ایک کیلا بھی نوش جان کرلیا تھا۔ اس سے بڑا سہارا ہوگیا۔

بھاری سامان!

نوجوانو! اب زمانہ بدل گیا ہے۔ انسان کو ہمیشہ کم سامان کے ساتھ سفر کرنا چاہیے۔ میں نے سعدیہ بیٹی کو بتادیا تھا کہ جاپان میں قلی کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ اس لیے فاطمہ کو کم سے کم سامان دینا۔ بیگ بھی چھوٹا دینا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ خود میرا اپنا سوٹ کیس تو ہلکا ہے مگر کتابوں اور لٹریچر کا بیگ واقعی خوب بھاری ہے۔ اس لٹریچر کی تو مجبوری ہے۔ اس کے بغیر کانفرنس میں کام نہیں چلتا۔ مگر یہ سامان خاصا تکلیف کا سبب بنا رہا۔

گولی رفتار ریل گاڑی!

جاپان نے جہاں بے حساب ایجادات اور اختراعات کی ہیں ان میں ایک گولی رفتار (بلیٹ) ٹرین بھی ہے۔ جاپانی زبان میں اسے "شینکانسن" (Shankansen) ہے۔ اگر اس نام کو اردو میں لیں تو "شان کا

نشان" پڑھ سکتے ہیں! یہ ریل گاڑی ایک گھنٹے میں دوسو سوا دوسو کلومیٹر راستہ طے کرلیتی ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ ذرا نہیں ہلتی۔اس میں پڑھ لکھ سکتے ہیں۔ ہم آج صبح نوبجکر چھپن منٹ والی گولی رفتار ریل سے ٹوکیو سے اوکایاما روانہ ہوئے۔ اللہ بھلا کرے جناب وسیم باری صاحب کا اور ان کے معاون جناب وحید صاحب کا کہ انھوں نے ٹوکیو ریلوے اسٹیشن جیسے مشکل اسٹیشن پر ہمیں ریل گاڑی میں سوار کرادیا'اور ہمارا بے حساب سامان لاد دیا۔ میں نے بڑی شرم محسوس کی۔ شرم سے پانی پانی ہوگیا۔

اب مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ اس سامان کو رکھا کہاں جائے۔ یہ ٹرین تو ہوائی جہاز جیسی ہے۔ اندر بڑے بڑے سوٹ کیس رکھنے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ ہمیں اپنے سامنے یہ سامان رکھنا پڑا اور سارا راستہ ہم ٹانگیں سکیڑے بیٹھے رہے۔ راستے بھرمیں یہ غور کرتا رہاکہ اوکایاما پر ٹرین تو صرف تین منٹ ٹھیرتی ہے۔ یہ سامان کیسے اتاروں گا! دل نے کہا:اللہ مالک ہے! بس اب میں اطمینان سے بیٹھ کر غوروفکر میں غرق ہوگیا! ارادہ تھا کہ اپنی تقریر کو پولش کروں گا مگر یہاں تو جگہ ہی نہ تھی!

اس بلیٹ(گولی) ٹرین میں نہایت آرام والی کرسیاں ہیں۔ بالکل ہوائی جہاز کی طرح بلکہ اس سے اچھی۔

صفائی ستھرائی جاپان کے ہر انسان کا مزاج ہے۔ یہ بلیٹ ٹرین بھی صفائی ستھرائی کا نمونہ ہے۔ نہ گرد نہ غبار۔ نہ شور شرابا۔اس ایک ڈبّے میں پچاس ساٹھ کرسیاں ہیں۔ سب بھری ہوئی ہیں۔ ہر مسافر کتاب لیے ہوئے مطالعہ میں مصروف ہے۔ نہ قہقہے لگ رہے ہیں نہ چیخ پکار ہے۔ نئے

اسٹیشن آتے جارہے ہیں۔ مسافر اترتے جارہے ہیں اور چڑھتے جارہے ہیں۔ جو جگہ خالی ہوتی ہے آنے والا جانتا ہے کہ اس کی کرسی کا نمبر کیا ہے۔ کوئی بدنظمی نہیں ہے۔ کمپیوٹر کا نظام ہے۔ ہر انسان پوری صلاحیت سے کام کررہا ہے۔ کوئی تکلیف نہیں ہورہی ہے۔

اس ٹرین میں ریستوراں بھی ہیں۔ مسافروں کو ان کی ضرورت کی کھانے کی چیزیں مل رہی ہیں۔ ہر نیا مسافر جو آرہا ہے اسے گیلا ٹشو مل جاتا ہے کہ وہ آتے ہی اپنے ہاتھ مُنھ صاف کرلے تا کہ سفر خوش گوار رہے۔ اس ٹرین میں ناشتہ، لنچ اور ڈنر کے پیکٹ ہیں۔ جاپانی اسٹائل۔ ویسٹرن (مغربی) اسٹائل۔ ناشتہ اور لنچ ۸۰۰ ین کا ہے۔ ڈنر ۱۲ سو ین کا ہے۔

ایک خاتون خالی بیگ لیے آتی ہیں اور مسافر خالی گلاس، خالی پلیٹیں وغیرہ اس میں ڈال دیتے ہیں۔ صفائی ہوجاتی ہے۔ جاتے وقت مسافروں کو گرم تولیہ مُنھ ہاتھ صاف کرنے کے لیے مل جاتا ہے۔

اس گاڑی میں ٹکٹ چیک کرنے کا پورا نظام ہے۔ خواتین یہ کام کرتی ہیں۔ ٹکٹ لیتی ہیں۔ مہر لگاتی ہیں اور ادب سے ٹکٹ واپس کردیتی ہیں۔

شرم دامن گیر رہی

سامان زیادہ تھا اس لیے ایک سوٹ کیس راہ داری میں رکھا تھا۔ اب جو مسافر اندر آتا اسے اندیشہ ٹھوکر کا رہتا۔ اس وقت میرے دل پر ٹھوکر لگتی۔ میرا سوٹ کیس غلط جگہ رکھا تھا۔ بے حد شرمندہ رہا۔ ٹوکیو سے اوکایاما تین گھنٹے کا سفر قیامت بنا رہا۔ وہ تو اللہ کا شکر ہے کہ اوکایاما تک آخر میں ڈبّہ تقریباً خالی ہوگیا تھا۔ میں نے اوکایاما اسٹیشن آنے سے ذرا پہلے تینوں سوٹ

کیس اٹھاکر دروازے پر لے جاکر رکھ دیے تھے۔اس لیے اوکایاما پر ان کو دوستوں نے ہاتھوں ہاتھ لے لیا اور میں شرم سے بچ گیا۔ ورنہ میرے دل پر قیامت گزر جاتی!

سحر خیزی

آج بھی چار بجے اٹھ گیا تھا۔ میں نے غسل کرکے چار نفل تہجد کے ادا کرلیے اور پھر ذرا دیر بعد نمازِ فجر ادا کرلی تھی۔

نوجوانو! زندگی میں میری کام یابی کا راز سحر خیزی(صبح اٹھنا) بھی ہے اور ہاں اسلام بھی چاہتا ہے کہ عشاء کے بعد لوگ آرام کریں۔سو جائیں اور صبح جلد بیدار ہوجائیں۔ میں اسے صحت اور آرام کے لیے صحیح اور ضروری سمجھتا ہوں۔نوجوانو!تم یہ نکتہ ضرور یاد رکھنا۔

کراچی۔لاہور وغیرہ میں رات ۱۱۔۱۲ بجے تک لوگ جاگتے ہیں اور پھر پڑکر سوتے ہیں تو دن کی خبر لاتے ہیں۔ نہ نماز نہ روزہ۔آخر یہ کیسی خراب زندگی ہے۔ اسی لیے کراچی کے لوگ پریشان ہیں اور ان کی صحتیں خراب ہوتی چلی جارہی ہیں۔

تعمیرات۔ صنعتی عمارات

ٹوکیو سے اوکایاما سات سو کلومیٹر ہے۔اس سفر میں، میں آنکھیں کھولے بیٹھا رہا۔ اس سارے راستے میں دونوں طرف مکانات ہی مکانات ہیں اور صنعت کے مراکز ہی مراکز ہیں۔ دھوئیں کی چمنیاں دھواں اگل رہی ہیں۔ کوئی جگہ خالی نہیں ہے۔ گھر گھر صنعت کاری ہورہی ہے اور حکومت ان صنعت کاروں کو ہر سہولت دیتی ہے۔ ان صنعت کاروں نے دیانت و

امانت کے ساتھ کام کر کے جاپان کو دنیا کا سب سے بڑا صنعتی ملک بنادیا ہے۔ ساتھ ہی جگہ جگہ زراعت کے میدان بھی ہیں۔ مجموعی طور پر جاپان ایک سرسبز ملک ہے۔ ایک چیز اور میں نے نوٹ کی کہ جاپان پُلوں کا ملک ہے۔ ہر شہر میں بکثرت پُل ہیں۔ پُل بننے کے معنی خوش حالی کے ہیں۔ اس قدر ٹریفک ہے کہ سڑک کے اوپر سڑک (پُل) بنانا پڑا ہے۔ جاپانی تو جن قوم ہیں۔ اگر ضرورت ہوگی تو وہ زیر زمین اچھی سڑکیں بنادیں گے۔ اب ٹوکیو میں چاروں طرف زمیں دوز ریلوے موجود ہے جو ہر جگہ جاتی ہے۔

کوبے (Kobe)

جاپانیوں کے جذبۂ تعمیر اور ان کے باہمت ہونے کا ایک اور مظاہرہ حال ہی میں ہوا ہے۔ چند ہی سال ہوئے کہ عظیم کوبے میں ہیلتھ فرام ہربس (نباتات اور صحت) پر عالمی ادارۂ صحت (WHO) کے زیر اہتمام ایک عالمی کانفرنس ہوئی تھی۔ میں نے اس میں شرکت کی تھی۔ کیا عظیم شہر تھا جہاں ریل بھی کمپیوٹر سے بغیر ڈرائیور چلتی تھی۔ کیا صنعت تھی کہ دنیا کی ضروریات پوری کرتی تھی۔ کیا شان دار ہوٹل تھے کہ دنیا حیران تھی۔ وہاں زلزلہ آیا اور منٹوں کی منٹوں میں سارا شہر تلپٹ ہوگیا۔

قومی تاریخ میں جاپان کے بندرگاہی شہروں میں کوبے کی حیثیت ایک شہزادے کی رہی ہے۔ جاپان کی ۲۰ فی صد تجارت اور ۳۰ فی صد جہاز رانی کوبے کے ذریعہ سے ہوتی تھی۔

۱۷ر جنوری ۱۹۹۵ء کو پَو پھٹنے سے پہلے کوبے میں زبردست زلزلہ آیا۔

رختر پیمانے پر زلزلے کی پیمائش ۷۶۳ تھی۔ تمام تجارتی اور صنعتی مراکز، رہائشی مکانات، سڑکیں ملبے کے ڈھیر بن گئے۔ پانی، گیس، بجلی، ٹیلے فون کے نظام تباہ ہوگئے۔ زلزلے سے متاثر ہونے والے علاقے میں ۶۲۷۹ آدمی مرے، ان میں ۴۵۱۲ صرف شہر کوبے میں مرے۔ ۹۶۰۰۰ افراد بے گھر ہوگئے۔ ۶۲ بڑی تجارتی عمارتیں اور ۱۲۲۵۰۰ دیگر عمارتیں گر گئیں۔ ساحل پر دوسرے مقامات سے ملانے والی سڑک کا ۲۸ کلومیٹر کا حصہ بے کار ہوگیا۔ بلیٹ ٹرین کی ۹۲ کلومیٹر پٹری کو نقصان پہنچا۔ بندرگاہ کی ۲۳۰ برتھوں کو نقصان پہنچا۔

بڑے بڑے صنعتی اداروں کی کمر ٹوٹ گئی۔ کوبے اسٹیل کو ۱۶۱ بلیون ڈالر کا نقصان ہوا، متسوبشی ہیوی انڈسٹریز کو ۳۴۰ ملیون ڈالر، سومی تومو ربر کو ۲۰۰ ملیون ڈالر اور کاواساکی ہیوی انڈسٹریز کو ۱۲۰ ملیون ڈالر کا نقصان ہوا۔

کوبے کا کُل نقصان ۹۹٫۳ بلیون ڈالر کے برابر تھا۔ یہ رقم اس سال بھر کے لین دین کے نصف کے برابر ہے۔

یہ بڑا دردناک واقعہ ہے۔ پچاس برس پہلے دوسری جنگِ عالم گیر میں اتحادیوں کی بمباری سے کوبے کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی تھی۔ وہ دکھ ابھی پوری طرح دور ہی نہیں ہوا تھا کہ اس زلزلے نے اتنی ہی کاری ضرب لگادی۔

قوموں کی تاریخ میں نقصان پر نقصان اٹھانے کے بعد تعمیرِ نو ایک بہت ہی مشکل وقت ہوتا ہے، لیکن دو قومیں ایسی ہیں جنھوں نے ڈھیر سارے دکھ اٹھا کر تعمیرِ نو کی۔ ایک جرمنی اور دوسرا جاپان۔ دونوں کی دوسری جنگِ عالم گیر

میں سخت تباہی ہوئی اور اس کے بعد دونوں پر اقتصادی طاقتیں مسلط ہوگئیں۔ لیکن ۳۵-۴۰ برس میں اپنی تعمیرِ نو کر کے دونوں نے بڑے صنعتی ملکوں کی صفِ اول میں جگہ پائی۔

کوبے میں مرمّت کا کام تیزی سے جاری ہے۔ ۱۷ر جنوری ۹۵ء کو زلزلہ آیا تھا، ۳۱ر جنوری کو ٹیلیفون کا سلسلہ بحال کردیا گیا۔ ۱۱ر اپریل کو گیس، ۱۷ر اپریل کو پانی اور یکم مئی کو گٹر بحال کردیا گیا۔ جون ۹۵ء میں ہانکویو اور ہانشین لائنوں پر ٹرینیں چلنے لگیں۔

اب تک ۷۶ برتھیں بحال کی جاچکی ہیں۔ غذا وغیرہ ۸۸ فی صد تک بحال ہوگئی ہے۔ اگرچہ تعمیرِ نو کے لیے ۱۲۰ بلیون ڈالر درکار ہیں، لیکن جاپان ایک تو بہت بڑا صنعتی ملک ہے، دوسرے اسے تعمیرِ نو کا اچھا خاصا تجربہ ہے۔ وہ ان تمام مسائل پر قابو پالے گا۔ اُمّید ہے کوبے ایک بار پھر اپنی پرانی شان و شوکت کو پالے گا۔

سرزمینِ جاپان پر امریکا کی فوج

نوجوانو! آج سے تین چار سال پہلے جب میں جاپان گیا تھا تو سیر کے لیے ماؤنٹ فیوجی بھی گیا تھا۔ اس وقت کچھ مجھے وہاں ایک "ائربیس" (ہوائی جہازوں کا علاقہ) دکھائی دیا تھا اور میں نے جاپان کے قومی پرچم کے ساتھ امریکی پرچم کو لہلہاتا دیکھ کر شدید دلی تکلیف محسوس کی تھی۔ میں نے اپنے پہلے سفرنامہ جاپان میں اپنے اس قلبی درد کا حال لکھ بھی دیا تھا، مگر جناب رفیع الزماں زبیری صاحب نے یہ تکلیف کا جملہ حذف کردیا تھا۔

آج ٹائم میگزین میں اوکی ناوا میں امریکی افواج کے کرتوت پڑھے تو مجھے ماؤنٹ فیوجی کے پاس ائربیس پر امریکی جھنڈا یاد آگیا۔

اوکی ناوا کی ایک باعصمت ۱۲۔۱۳ سالہ لڑکی کے ساتھ امریکی فوجی درندوں نے بُرا سلوک کیا ہے۔ اس کے خلاف اوکی ناوا کے جاپانی سخت ناراضی کا اظہار کرر ہے ہیں۔اس کی تفصیل یہ ہے :

ستمبر ۱۹۹۵ء میں جاپان کے شہراوکی ناوا میں ایک ایسے حادثے نے جنم لیا جو جاپان امریکی تعلقات میں زبردست کشیدگی کا باعث بن گیا۔ ہوا یوں کہ اوکی ناوا کی ایک بارہ سالہ جاپانی لڑکی جب اسکول سے چُھٹّی کرکے واپس آرہی تھی،اوکی ناوا میں متعین تین امریکی فوجیوں نے اسے اغوا کرلیا۔ اغوا کرکے جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا۔اس غیرانسانی اور وحشیانہ عمل نے جاپانیوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ جاپان میں امریکا کے تعینات فوجیوں کے خلاف سارا جاپان سراپا احتجاج بن گیا۔ امریکا پہلے تو اس سانحے کے وقوع پذیر ہونے اور اس میں شریک امریکی فوجیوں سے انکار کرتا رہا، مگر جب جاپانیوں نے احتجاجی ریلیوں سے ہاتھ نہ کھینچا تو امریکا کو اسے تسلیم کرنا ہی پڑا۔ امریکا نے فوراً ان تینوں امریکیوں کو وطن بلالیا۔ مگر جاپانیوں کا مطالبہ تھا کہ ملزم ان کے حوالے کیے جائیں تاکہ جاپان کے مقامی قانون کے مطابق ان پر مقدمہ چلایا جائے۔امریکا نے پہلے تو یہ مطالبہ ماننے سے انکار کردیا ،مگر جاپان کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے تحت اسے تینوں ملزموں کو جاپان کے حوالے کرنا پڑا۔ ازاں بعد امریکی صدر نے ٹی وی پر آکراس سانحے پر افسوس کا اظہار کیا اور اس کی مذمّت کی اور یہ بھی کہا کہ وہ مظلومہ بچی کے اہلِ خانہ کو جرمانہ دینے کے

لیے بھی تیار ہیں، مگر جاپانیوں کا غصہ فرو نہ ہوا۔ انھوں نے قدم آگے بڑھاتے ہوئے مطالبہ شروع کردیا کہ جاپان میں متعین تمام امریکی فوجیوں کو واپس امریکا بھیجا جائے اور یہ کہ جاپان میں امریکا نے جتنے بھی فوجی اڈے بنا رکھے ہیں انھیں فی الفور بند کردیا جائے۔ اس مطالبے کی شدّت میں آئے دن اضافہ ہوتا چلاجارہا ہے۔ جاپانی سیاست داں بھی اپنے عوام کا بھرپور انداز میں ساتھ دے رہے ہیں۔

جاپانی لڑکی کے واقعہ نے اتنی شدّت اختیار کرلی ہے اور اس نے جاپان امریکا تعلقات کو اس شدّت سے دھچکا پہنچایا ہے کہ معاملے کی نزاکت کے پیشِ نظر امریکی وزیرِدفاع ولیم پیری کو جاپان کا دورہ کرنا پڑا ہے۔ انھوں نے یکم نومبر ۹۵ء کو ٹوکیو میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اوکی ناوا میں امریکی فوجی اڈّے کی حیثیت کے بارے میں امریکا اور جاپان نے ایک کمیٹی بٹھادی ہے جو جلد ہی یہ فیصلہ کرے گی کہ آیا اس اڈّے کو جاری رہنا چاہیے یا نہیں۔ ولیم پیری نے بھی اس سانحہ پر ذاتی افسوس اور رنج کا اظہار کیا اور جاپانی عوام سے معافی مانگی۔

اس وقت جاپان میں ۴۷ ہزار امریکی فوجی تعینات ہیں۔ ان کے تمام اخراجات جاپانیوں کے ذمّہ ہیں۔ جاپانی اب اس کے خلاف آئے دن مظاہرے کررہے ہیں۔ امریکی وزیرِ دفاع نے جاپان کے حالیہ دورے کے دوران یہ اشارہ بھی دیا کہ متعینہ فوجیوں کی تعداد میں کمی کردی جائے گی تا کہ جاپانی عوام کے سروں پر مسلّط بوجھ میں کچھ کمی واقع ہوسکے۔

اوکی ناوا سلطنتِ جاپان کا ایک حصّہ ہے، مگر اس وقت جب کہ وہاں

جوش و جذبات اپنی انتہا پر ہیں وہ ایک مقبوضہ علاقہ یا کالونی معلوم ہوتا ہے
غیظ و غضب کا یہ طوفان اس وقت اٹھا جب ستمبر کے مہینے میں تین امری
فوجیوں پر یہ الزام عائد کیا گیا کہ انھوں نے ایک بارہ سالہ لڑکی کو بے آبرو ک
ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس معاملے کو سرد ہوجانا چاہیے تھا مگر غم و غصّ
کی آگ بھڑکتی چلی گئی اور عدل و انصاف کا مطالبہ کیا جانے لگا۔

اوکی ناوا کے دارالحکومت ناہا کی اسمبلی کی عمارت کے ساتھ تقری
تمام سیاسی جماعتوں کا روزانہ اجتماع ہونے لگا جن کے رہنما ہاتھوں میں
مائکروفون سنبھالے یہ احتجاجی مطالبہ کرتے نظر آنے لگے کہ جزیرے پر امری
اڈے کا خاتمہ کیا جائے جو تقریباً بیس فیصد علاقے پر پھیلا ہوا ہے اور جاپا
اور امریکا کے درمیان ۱۹۶۰ء میں جو معاہدۂ تحفظ ہوا تھا اس پر نظرِثانی ک
جائے۔ صرف دو ہفتے پہلے پچاسی ہزار افراد جو اوکی ناوا کی آبادی کا آٹھ فی ص
ہوتے ہیں، نے جزیرہ کی تاریخ کے سب سے بڑے مظاہرے میں حصّہ لیا
یہ مطالبہ کررہے تھے کہ امریکی اڈوں کو وہاں سے ہٹایا جائے۔ مطالبہ کرنے
والوں کو اسّی فی صد لوگوں کی حمایت حاصل تھی۔

اس احتجاجی ہجوم کی قیادت گورنر مسا ہائد اوٹا کررہے ہیں جو یو
ورسٹی کے ریٹائرڈ پروفیسر ہیں اور جنھیں بہت مقبولیت حاصل ہے۔ ان ک
متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ٹوکیو کو اوکی ناوا کی طرف متوجّہ کرسکتے ہیں
جزیرے کی ریاست نے جاپانی شہنشاہیت کے ساتھ ۱۸۷۹ء میں الحاق کیا تھا
اس وقت کے بعد سے غالباً پہلی بار ایسا واقعہ پیش آیا ہے۔ اوٹا کی امر
مجاہدانہ تحریک سے ٹوکیو کے خلاف غم و غصّے کا اظہار ہوتا ہے۔

اوکی ناوا

اوکی ناوا کے اعلا حکام نے جاپانی حکومت کو یہ تجویز پیش کی ہے کہ ۲۰۱۵ء تک شمالی جزیرے سے سارے امریکی اڈوں کو ہٹادیا جائے۔اس منصوبے سے اوکی ناوا کی آبادی کے اس جذبے کا ردعمل ظاہر ہوتا ہے کہ امریکی فوج کے، ان کی پری فیکچر میں رہنے سے مایوسیاں اور محرومیاں پیدا ہورہی ہیں۔ ان میں اس وقت سے مزید اضافہ ہوا ہے جب گزشتہ سال ستمبر میں ایک بارہ سالہ لڑکی کو بے آبرو کیا گیا،جس کے لیے ان تین امریکی فوجیوں پر مقدمہ چلے گا۔ توقع ہے کہ ۷ر مارچ سے مقدمے کی کارروائی کا آغاز ہوگا۔

وزیراعظم رائیوٹارو ہاشی موٹوکو پیش کیا جانے والا اوکی ناوائی منصوبہ صدر کلنٹن کے دورے کے دوران بھی زیر بحث آئے گا جو وہ اپریل سے کریں گے۔ یہ بات وزیراعظم کے دفتر کے ایک ذمے دار افسر نے کہی ہے۔

جاپان کی مرکزی حکومت بھی اس منصوبے پر غور کررہی ہے کہ اوکی ناوا میں امریکی فوج کو کم کیا جائے۔ انھوں نے وعدہ کیا ہے کہ یہ منصوبہ ایک سال میں حتمی شکل اختیار کرلے گا۔

حکومت نے یہ نہیں بتایا ہے کہ وہ اس منصوبے پر کب عمل درآمد کرے گی تاہم ابتدا میں اس کا رویہ سرد تھا۔ناکاگومی نے کہا ہے کہ اوکی ناوا اور حکومت کی سوچ میں کوئی مطابقت نہیں ہے تاہم حکومت اس کی خواہش مند ہے کہ مذاکرات کے ذریعے اس مسئلے کا حل تلاش کیا جائے۔

نوجوانو!

یہ واقعہ یقیناً قابلِ غور ہے۔ جاپانی قوم ایک خود دار قوم ہے۔اس قوم سے وہ رویّہ اختیار نہیں کیا جاسکتا جو امریکا ہر ملک میں اختیار کرتا ہے۔

ڈاکٹرِ موموکو چیبا (Dr. Momoko Chiba)

ٹوکیو کے ریلوے اسٹیشن پر ایک جاپانی خاتون اچانک آکر مجھ سے لپٹ گئیں۔ جلد ہی معلوم ہوگیا کہ یہ میری بیٹی ڈاکٹر پروفیسر موموکو چی با ہیں۔ ڈاکٹر موموکو حفظِ صحت کے میدان میں کام کرتی ہیں۔ سائنس داں ہیں۔ جاپان کی یونی ورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ گزشتہ چند ماہ میں یونان، اٹلی اور واشنگٹن لیکچرز دے کر واپس آئی ہیں۔ یہ پاکستان دوبار آئی ہیں۔ سعدیہ بیٹی کے ساتھ رہی ہیں۔ ان کی دوست ہیں۔ اس لیے بھی وہ میری بیٹی بنی ہوئی ہیں۔

ٹوکیو ریلوے اسٹیشن سے ہماری ٹرین کو آٹھ بج کر ۵۶ منٹ پر روانہ ہونا تھا اور ڈاکٹر موموکو کو اپنی یونی ورسٹی میں ۹ بجے لیکچر دینا تھا۔ میں نے اصرار کرکے ان کو جلد روانہ کردیا۔ وہ خود ۹ بجے لیکچرہال میں جانے کے لیے بے چین تھیں اور میرے اشارے کی منتظر تھیں۔ نونہالو! جاپان کے عورت مرد سب وقت کے نہایت پابند ہیں۔ تم نے غور کیا کہ ریل ۸ بج کر ۵۶ منٹ پر روانہ ہوئی۔ یہاں جاپان میں ایک ایک سیکنڈ کی قیمت ہے!

یہاں جاپان میں مہمان شادیوں میں ایک دو گھنٹے لیٹ نہیں آتے۔ وہ اپنا ایک منٹ ضائع نہیں کرسکتے۔ کراچی میں اور لاہور وغیرہ میں روزانہ لاکھوں لوگ کروڑوں گھنٹے شادی بیاہوں میں ضائع کردیتے ہیں اور ذرا غور

نہیں کرتے کہ وقت کو کھونا اپنی آزادی کھونا ہے۔

سائن بورڈ۔ قومی زبان

نوجوانو! میں جب بھی یہاں آتا ہوں دُکانوں کے سائن بورڈ پر نگاہیں ڈالتا رہتا ہوں۔ جاپان کی ہر دُکان پر جاپانی زبان میں سائن بورڈ ہوتے ہیں۔ یہ ان کی قومی زبان ہے۔ قومی زبان کی یہ قدر کرتے ہیں۔ اس کی عزّت کرتے ہیں۔ اپنی قومی زبان میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

اب نوجوانو! تم ذرا پاکستان میں دُکانوں کے سائن بورڈوں کو غور سے دیکھنا۔ ۹۵ فی صد دُکانوں کے سائن بورڈ انگریزی زبان میں ہیں۔ اردو میں بھی موجود ہیں۔ وہ انگریزی الفاظ کے ہیں۔ اردو میں مثلاً یوتھ ہے' ہیئر کٹنگ سیلون ہے۔ بورڈ تو اردو میں ہے مگر اس میں ہر لفظ انگریزی زبان کا ہے۔

جو قومیں اپنی قومی زبان سے غافل ہوجاتی ہیں اور جو ملک غیروں کی زبان اختیار کرلیتے ہیں وہ یقیناً احساسِ کم تری میں مبتلا ہوا کرتے ہیں۔ پاکستان اس اعتبار سے شدید ترین احساسِ کم تری میں مبتلا ہے۔ ۴۸ سال سے مبتلا ہے۔ اب یہاں انگریزی زبان میں تعلیم کا رواج ہے۔ ابتدائی جماعت تک میں اب انگریزی کا دخل ہوگیا ہے۔ حکومت نے قانون بنادیا ہے کہ انگریزی زبان پہلی جماعت سے پڑھائی جائے گی۔

وزیراعظم پاکستان محترمہ بے نظیر بھٹو کا یہ ایک بدترین فیصلہ ہے جس نے صوبائی وزرائے اعلا کو بھی متاثر کیا ہے۔ سندھ اور پنجاب میں اب پہلی جماعت سے انگریزی تعلیم دی جائے گی۔ صوبہ سرحد اور بلوچستان نے انکار کردیا ہے۔ ابھی اسلام آباد کے انٹرمی جیٹ امتحانات کا نتیجہ سامنے آیا ہے۔

تمام کے تمام طالب علم اردو زبان میں فیل ہو گئے ہیں۔

نونہالو! تم ذرا غور کرو۔ ہماری قومی زبان اردو ہے۔ ہمارے دستور میں قومی زبان اردو ہے۔ قائداعظم نے فرمایا: پاکستان کی قومی زبان اردو ہوگی اور صرف اردو ہوگی۔ اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم انگریزی زبان پڑھا رہے ہیں اور اردو میں ہمارے طالب علم فیل ہو رہے ہیں۔

اور بھی اسباب ہیں، مگر ہماری غلامیوں کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ہم اپنی قومی زبان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ہم اپنی قومی زبان کا احترام نہیں کرتے۔

جاپان میں اردو لٹریچر کا فروغ

جاپان میں اردو کے ایک دوست ہیں، پروفیسر ہیروشی کاگایا۔ وہ اسلامیات کے بھی بڑے اسکالر ہیں۔ وہ ایک جامع "جاپانی۔اردو لغت" تیار کر رہے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس لغت سے نہ صرف اردو پڑھنے والے جاپانیوں کو فائدہ پہنچے گا بلکہ جاپان اور پاکستان کے درمیان دوستی بھی بڑھے گی۔

جاپانی۔اردو لغت میں کوئی چالیس ہزار الفاظ ہوں گے اور پروفیسر کاگایا، ایک پاکستانی جناب تبسم کشمیری کے تعاون اور اشتراک سے اسے مرتب کر رہے ہیں۔ فی الحال اردو سیکھنے والے جاپانی طالب علموں کو اردو۔انگریزی یا انگریزی۔اردو ڈکشنریوں سے کام چلانا پڑتا ہے۔ اس سے الفاظ کا عام مطلب تو سمجھ میں آجاتا ہے، لیکن کسی لفظ کے صحیح معنی جاننے میں دشواری ہوتی ہے۔ نئی جاپانی۔اردو لغت سے جاپانی طالب علم اپنی زبان میں اردو الفاظ کے

معنی جان لیں گے۔

جاپان میں اس وقت تین یونی ورسٹیوں میں اردو پڑھائی جارہی ہے۔اوساکا یونی ورسٹی‘ٹوکیو یونی ورسٹی اور ساتما یونی ورسٹی۔ ہر کلاس میں بیس بیس طالب علم ہیں۔ پہلی دو یونی ورسٹیاں حکومت کی ہیں اور تیسری پرائیویٹ یونی ورسٹی ہے۔

پروفیسر ہیروشی کاگایا‘اوساکا یونی ورسٹی اوف فارن اسٹیڈیز کے علاقائی شعبے کے سربراہ ہیں۔انھوں نے جاپان میں اردو کے فروغ کے لیے بہت کچھ کام کیا ہے۔ان کا خیال ہے کہ اگر اردو ادب کی اچھی کتابوں کا جاپانی میں ترجمہ کیا جائے تو یہ جاپان میں بہت مقبول ہوں گی۔ خود پروفیسر کاگایا نے حضرت شاہ ولی اللہ‘سرسیّد احمد خاں‘مولانا حالی‘علّامہ اقبال‘شبلی نعمانی اور سیّد احمد بریلوی پر مضامین لکھے ہیں۔انھوں نے ”مسدّسِ حالی“ اور ”حجتہ البلاغ“ کے کچھ حصّوں کا جاپانی زبان میں ترجمہ بھی کیا ہے اور علّامہ اقبال کے تصوّرِ خودی کو جاپانی میں پیش کیا ہے۔انھوں نے کچھ اردو کتابوں کا ترجمہ بھی جاپانی میں کیا ہے۔

پروفیسر کاگایا اوساکا یونی ورسٹی میں اردو اور اسلامیات کے استاد ہیں۔ ان کے تمام طلبا غیر مسلم جاپانی ہیں اور ایک عجیب بات یہ ہے کہ ان میں زیادہ تر لڑکیاں ہیں۔

جاپان میں اردو ستّر سال سے زیادہ عرصے سے پڑھائی جارہی ہے۔پروفیسر کاگایا نے ۱۹۵۰ء میں جاپانی استادوں سے اردو پڑھنی شروع کی اور اوساکا یونی ورسٹی سے اردو میں بی اے کی ڈگری لی۔ اس وقت جاپان کی کسی یونی ورسٹی میں اردو میں ایم۔اے کی کلاسیں نہیں ہوتی تھیں‘لہٰذا انھوں نے

تاریخ اور تقابلِ مذہب میں تعلیم جاری رکھی۔ اسلامیات ان کا خاص مضمون تھا۔

پروفیسر کاگایا کا کہنا ہے کہ وہ اسلام کو مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے اس کی اصل روح میں پیش کرنا چاہتے تھے اور اسی مقصد سے انھوں نے اسلامیات کا مضمون منتخب کیا۔ انھوں نے قرآن پاک کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ جاپانی زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ موجود ہے جو لسانیات کے ایک ماہر، جناب ٹی۔ ازتسو (T-Izutsu) نے کیا ہے۔

اس سوال کے جواب میں کہ انھوں نے اردو کیوں پڑھی، پروفیسر کاگا[یا] نے بتایا کہ اردو سے انھیں اسلامیات پر تحقیقی کام میں مدد ملی ہے۔ عربی او[ر] فارسی کے علاوہ اردو بھی جاننا ضروری تھا کیوں کہ اردو میں اسلامیات پر بہت مواد ہے۔

انھوں نے بتایا کہ جو جاپانی اردو زبان کا مطالعہ کر رہے ہیں انھیں اردو ادب سے دل چسپی ہے اور وہ پاکستان کے ثقافتی، سیاسی، معاشی اور ادبی زندگی سے واقف ہونا چاہتے ہیں۔ جاپان میں اردو پڑھانے کا طریقہ یہ ہے کہ لیکچر ہوتے ہیں اور آڈیو ویڈیو (سمعی و بصری) ذرائع سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ استاد اردو پڑھانے کے لیے لاطینی حروفِ تہجی استعمال نہیں کرتے ہیں بلکہ اردو کے حروفِ تہجی سے پڑھاتے ہیں۔ عام طور پر چار سال میں بی۔اے کی ڈگری مل جاتی ہے، لیکن بعض طالب علموں کو آٹھ سال تک لگ جاتے ہیں۔ اسی طرح اردو میں ایم۔اے کا کورس دو سال کا

ہے لیکن بعض طالب علم زیادہ وقت بھی لے لیتے ہیں۔

جاپانیوں کے لیے اردو شاعری بہت مشکل ہے اس لیے یہ نہ بی۔اے کے کورس میں پڑھائی جاتی ہے اور نہ ایم۔اے کے۔پروفیسر کاگایا نے کہا کہ وہ فارسی جانتے ہیں، اس کے باوجود اردو شاعری سمجھنے میں انھیں دشواری ہوتی ہے۔ پروفیسر کاگایا نے ۷۶-۱۹۷۵ء میں لاہور میں اورینٹل کالج میں جاپانی پڑھائی ہے۔

جاپان میں کچھ اور افراد اور ادارے اردو کے فروغ کے لیے کام کررہے ہیں۔ پروفیسر سوزوکی ناکاشی نے کچھ کتابوں کا ترجمہ کیا ہے اور دیدو لائف فاؤنڈیشن اور ٹویوٹا موٹرز کمپنی بھی کچھ اردو کتابوں کے جاپانی میں ترجمے کے لیے سرمایہ فراہم کررہی ہے۔

تیسرا باب

۱۳ر نومبر ۱۹۹۵ء

ہماری بلٹ ٹرین (شن کان سین) دو سو کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چل کر اور سات سو کلومیٹر فاصلہ طے کر کے وقتِ مقررہ پر 'نہ ایک منٹ پہلے اور نہ بعد' اوکایاما کے نہایت خوب صورت ریلوے اسٹیشن پر ٹھیک مقررہ جگہ پر ٹھیر گئی۔ یعنی اگر ڈبّے (کمپارٹمنٹ) کا نمبر ا ہے تو پلیٹ فارم پر نمبر ا جہاں لکھا ہے ڈبّہ اسی کے سامنے ٹھیرتا ہے۔ اگر لوگوں کو معلوم ہوتا ہے کہ حکیم صاحب کے ڈبّے کا نمبر ۷ ہے تو حکیم صاحب کا استقبال کرنے والے پلیٹ فارم کے نمبر ۷ پر آکر انتظار کریں گے۔ ایسا نہیں ہو گا کہ بھاگے بھاگے پھر رہے ہوں گے کہ کہاں ہیں حکیم صاحب!

میرے ڈبّے کا نمبر ۷ تھا۔ گاڑی پلیٹ فارم کے سات نمبر پر رکی۔ دیکھا تو باہر استقبال کرنے والے موجود تھے۔ جناب محترم ڈاکٹر رئیس صاحب سب سے آگے تھے۔ ان کے ساتھ کانفرنس کے بہت سے منتظمین تھے۔ کئی پریس فوٹوگرافرز تھے اور ٹیلے وژن کے دو کیمرے بھی تھے۔

میں نے عقل سے کام لیا تھا اور گاڑی رکنے سے پہلے ہی اپنا سامان'

تینوں بیگ دروازے کے قریب لاکر رکھ دیے تھے۔ ان دوستوں نے فوراً سامان سنبھال لیا۔ میں باہر آیا تو دوستوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ پریس فوٹوگرافرز نے باربار فوٹو لیے۔ ٹیلے وژن بھی اپنا کام کر رہا تھا۔

نوجوانو! تمھارے دوست حکیم صاحب کا اس طرح استقبال ہوا۔

اب ہم اطمینان سے چلے۔ ایک متحرک زینہ (ایس کلیٹر) چڑھے۔ پھر ایک اور۔ معلوم ہوا کہ ہم ریلوے اسٹیشن سے سیدھے "ہوٹل گراں ویا" اوکایاما میں آگئے ہیں۔ اس ہوٹل کو ریلوے اسٹیشن سے ملادیا گیا ہے۔ بس گاڑی سے اترے، ایک دو زینے چڑھے اور ہوٹل کے اندر آگئے!

اب تو ساری دنیا میں ہوائی میدانوں، ریلوے اسٹیشنوں، بڑی کئی منزلہ دُکانوں وغیرہ میں متحرک زینے لگ گئے ہیں۔ ان کو انگریزی میں(esclator) کہا جاتا ہے۔ تمام سیڑھیاں ایک چین ہوتی ہیں۔ یہ چین چلتی رہتی ہے۔ زمین کے نیچے سے سیڑھیاں اوپر آتی رہتی ہیں۔ ذرا جلدی کرنی ہوتی ہے کہ فوراً ایک سیڑھی پر قدم رکھ دیں۔ پھر یہ زینہ خود بہ خود اوپر جاتا رہتا ہے۔ خود سوار ہونے والے کو سیڑھیاں چڑھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اوپر گئے اور اطمینان سے زینے پر سے اتر گئے۔

یہ متحرک اور خود کار زینہ کئی وجہ سے ایجاد ہوا ہے۔

ا۔ جب سے امراضِ قلب زیادہ ہوئے ہیں کیوں کہ دل پر سب سے زیادہ زور زینہ چڑھنے سے پڑتا ہے۔ دل کے مریضوں کو زینہ چڑھنے سے گریز کرنا چاہیے۔

۲۔ بہت بوڑھے لوگ جو زینہ نہیں چڑھ سکتے، مگر چڑھنے کی ضرورت

پیش آتی ہے' ان کے لیے یہ ایجاد خوب ہے۔

۳۔ سست اور کاہل لوگوں کو زیادہ سست اور کاہل بنانے کے لیے۔

نوجوانو! یہ آخری بات بہت بُری ہے۔ سست اور کاہل لوگوں کو تو زینہ زیادہ سے زیادہ چڑھ کر ایک اچھی ورزش کرنی چاہیے نہ کہ خودکار زینہ ان کے لیے ہو!

ہوٹل

امریکا نے نہایت بے رحمی کے ساتھ جاپان پر ایٹم بم گرائے تھے۔ لاکھوں جاپانی منٹوں میں جل بُھن کر مر گئے۔ ہزاروں نے سسک سسک کر اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑا۔ تاریخِ انسان کا یہ سب سے بڑا ظلم تھا۔ تاریخ کی یہ سب سے بڑی موت تھی۔ جاپان نے اس کا جواب ایٹم بم سے نہیں دیا۔ جاپان نے سائنس کو ذریعۂ آزادی بنایا۔ جاپان نے اپنے عظیم نونہالوں کو سائنس کی تعلیم دینی شروع کردی۔ سائنس کی یہ تعلیم جاپانی زبان میں دی گئی۔ نونہال جب نوجوان ہوئے تو وہ سائنس کا مزاج رکھتے تھے۔ ان نوجوانوں نے زبردست محنت کی۔ رات دن سائنس کو پڑھا اور ٹیکنالوجی کو اپنایا۔ ۲۵ برس میں ایک ایسی نسل جاپان میں پیدا ہوگئی کہ جو بذریعہ سائنس اپنے پیارے وطن جاپان کی تعمیر کرسکتی تھی۔

اس طرح جاپان میں سائنس کا آغاز ہوا۔ پھر جاپان نے سائنس کے میدانوں میں پوری تیز رفتاری کے ساتھ ترقی کی اور ایسے ایسے انکشافات کیے اور ایسی ایسی ایجادیں کیں کہ امریکا کو کیا دنیا کو حیران کردیا۔ آج امریکا میں تمام سائنسی سامان جاپان کا استعمال ہو رہا ہے۔ خود جاپان کا حال یہ ہے کہ

امریکا اس کے آگے پانی بھرتا ہے، یعنی سائنس میں جاپان کا محتاج ہے۔

اگر پاکستان میں قائداعظم محمد علی جناح اور قائدِ ملت لیاقت علی خاں کے بعد اچھے حاکم آتے تو پاکستان کے نونہال تعلیم سے اور سائنس سے محروم نہ رہتے۔ گزشتہ ۴۵ سال سے پاکستان میں تعلیم کا کوئی مقصد متعین نہ ہوسکا۔ بے مقصد تعلیم جو شروع ہوئی تو آج تک قطعی بے مقصد تعلیم کا سلسلہ جاری ہے۔

سچی تعلیم سے قوم بنا کرتی ہے۔ بامقصد تعلیم سے تعمیرِ وطن ہوتی ہے اور انقلاب لانے کے لیے ایک نئی نسل تیار ہوتی ہے۔ مگر پاکستان میں جاہل حاکموں اور کاذب اور جھوٹے سیاست دانوں نے تعمیر کا کوئی مقصد سامنے نہ رکھا اور انقلاب لانے کے لیے ایک نسل تیار نہ کی بلکہ ہر ہر نسل کو تباہ کرتے رہے۔

اوکایاما جاپان کا ایک چھوٹا شہر ہے۔ نویں نمبر پر ہے، کہنا چاہیے کہ یہ گاؤں بھی ہے اور شہر بھی۔ ایسا شہر جس کی آبادی صرف چھے ساڑھے چھے لاکھ ہے، مگر اس گاؤں کا ہوٹل پاکستان کے ہر فائیو اسٹار (پنج ستارہ) ہوٹل سے آگے ہے۔ کہنا چاہیے کہ سائنس کا ایک نمونہ ہے۔ اس ہوٹل کی ہر کُل کمپیوٹر کے تابع ہے۔ سب بڑے دروازے انسان کے سائے سے کھُل جاتے ہیں۔ ان میں ایک جادو کی آنکھ (magic eye) لگی ہے۔ یہ "آنکھ" انسان کو دیکھتی ہے اور دروازہ کھول دیتی ہے! میرے کمرے کا نمبر ۱۷-۱۸ ہے۔ اس کے دروازے میں کنجی نہیں لگتی۔ ایک کمپیوٹر کارڈ ہے۔ یہ کارڈ دروازے میں لگاتے ہی دروازہ کھل جاتا ہے۔ بجلی کے کھٹکوں (سوئچوں) کا رواج ختم

ہوگیا ہے۔ کمپیوٹر سے یہ جلتی بند ہوجاتی ہے۔ ٹیلی فون کمپیوٹر کے تحت کا

کرتا ہے۔

باتھ روم میں ایک کمال دیکھا۔ یہاں صفائی کے لیے لوٹے وو

کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کموڈ پر کمپیوٹر کے سوئچ لگے ہوئے ہیں۔ ایک سو

پر انگلی رکھیے تو نیچے سے ایک تیز دھار آئی اور صفائی ہوگئی۔ دوسرے سو

پر انگلی لگائی اور نیچے سے ایک فوارہ جاری ہوگیا اس نے صفائی کردی۔

اب نوجوانو! تم غور کرو کہ سائنس نے جاپان کو کہاں سے کہاں

پہنچادیا ہے۔ جاپان کو سائنس نے دنیا کا سب سے بڑا سائنسی ملک بنادیا ہے!

پریس کانفرنس

میرے عظیم نوجوانو! تمھاری دوستی نے اور تمھاری محبّت بھر

دعاؤں نے مجھے یہاں جاپان میں پوری پوری عزّت دی ہے۔ یہاں این جی

سمٹ (اعلا کانفرنس ۹۵ء) میں ۲۲ ملکوں کے بڑے بڑے لوگ شریک ہیں۔ خ

جاپان کے لوگ شریک ہیں۔ ایشیا اور افریقہ کی خوب نمائندگی ہے۔ یہاں

مجھے اعلا مرتبہ اور مقام ملا ہے۔ اس بہت بڑی کانفرنس میں پہلا خطاب (کلید

خطاب (Key note Address) میرا ہے جو میں کل (۱۴ر نومبر کو) دوں

گا۔

آج اسی کانفرنس کے بارے میں پریس کانفرنس ہے۔ اس کانفرنس

سے میں نے خطاب کیا ہے۔ سات ٹیلی وژن آئے ہیں۔ اخبارات کے

نمائندے آئے ہیں۔ اب تک جو مندوبین (Delegates) آئے ہیں وہ سب

تھے۔ میں نے ایک تقریر کی۔ پھر سوالات کے جوابات ہوئے۔

اب جاپان کے کم از کم سات ٹیلے وژن اور اخبارات میری تقریر کو ٹیلے کاسٹ اور شائع کرر ہے ہیں۔

میں نے آج ایک نہایت اچھی تجویز دی ہے کہ مشرق کے جتنے این جی او ہیں ان کی ایک ایسوسی ایشن بنائی جائے جو سیاست سے بالاتر ہو کر مشرق کے ممالک کی تعمیر کریں۔ اسی طرح مشرق کی یونی ورسٹیوں کی ایک انجمن بنائی جائے جو مشرق میں تعلیم کو تعمیر مشرق کا عنوان بنائیں اور مشرق کو امن کا پیغامبر بنادیں۔

میری ان تجویزوں پر بہت راستے کھلے ہیں۔

تبادلِ خیال

نوجوانو! اس این۔جی۔او کانفرنس کے منتظمین پانچ نمایاں افراد آج شب میرے ساتھ بیٹھے۔ کھانے کی میز پر باتیں ہوئیں۔ پریس کانفرنس میں میری تجاویز پر مزید غور ہوا۔ جاپان میں رات کا کھانا(ڈنر) ٦ بجے شام کو ہوتا ہے۔ آٹھ بجے تک کھانا ختم ہوجاتا ہے تاکہ لوگ آرام کریں اور صبح جلد اٹھ جائیں اور شام تک محنت کریں۔

نونہالو! یہ اسلام کا اصول رہا ہے۔ مغرب کی نماز کے بعد کھانا کھالو' عشاء کی نماز کے بعد کوئی کام نہ کرو' سوجاؤ۔ صبح جلد جاگ اٹھو اور اپنے کاموں کو سنبھالو۔ اسلام نے ہمیں یہ راستہ دکھایا۔ مگر ہم عمل نہیں کرتے۔ جاپان میں اس پر عمل ہوتا ہے۔ کراچی کے لاکھوں انسان رات کو دس دس گیارہ گیارہ بجے کھانا کھاتے ہیں۔ رات کو بارہ ایک بجے سوتے ہیں۔ یہ سب غلط ہے۔ یہ اسلام کے خلاف بھی ہے اور یہ سائنس کے خلاف بھی ہے۔ یہ

صحت کے خلاف بھی ہے۔ پاکستان کے دوسرے بڑے شہروں لاہور، پشاور، راولپنڈی وغیرہ سب جگہ یہی غلطی ہو رہی ہے۔ صحتیں خراب ہو رہی ہیں۔ ذہن خراب ہو رہے ہیں۔ دین سے بغاوت ہو رہی ہے۔ اللہ سے بغاوت ہو رہی ہے۔

رات ساڑھے آٹھ بجے میں اپنے کمرے میں آگیا۔ میری چھوٹی نواسی فاطمہ الزہرا بھی خواتین کے ساتھ کھانا کھاکر کمرے میں اسی وقت آگئیں۔ نوجوانو! بڑی دل چسپ بات ہے کہ عورتوں کا کھانا الگ تھا۔ مردوں کا الگ!

جاپانی خواتین

نوجوانو! جاپان کی معاشرتی زندگی میں ایک بڑی تبدیلی آئی ہے۔ بیس سال پہلے جاپانی عورتیں گھروں میں رہتی تھیں۔ گھر کی دیکھ بھال اور بچوں کی پرورش ہی ان کی زندگی کی مصروفیت تھی۔ اب ان کا زیادہ وقت گھر سے باہر گزرتا ہے۔ زیادہ تر جاپانی خواتین دفتروں، کارخانوں وغیرہ میں کام کرتی ہیں۔ جو مستقل ملازم نہیں ہیں وہ پارٹ ٹائم کام کرتی ہیں۔ پھر گھر کے کاموں سے اگر کوئی وقت بچتا ہے تو اسکولوں میں یا کسی اجتماعی سرگرمیوں میں حصہ لیتی نظر آتی ہیں۔ جاپان میں اگرچہ کم ہی عورتوں کو بزنس، صنعت، سیاست یا پروفیشنل کاموں میں کوئی اونچا مقام حاصل ہے، لیکن ان کے باہر نکلنے سے جاپان کی معاشرتی زندگی میں بڑی تیزی سے تبدیلی آ رہی ہے۔ تعمیرات سے لے کر کاروبار تک ہر شعبے میں جہاں پہلے صرف مردوں کی حکمرانی تھی، اب

عورتیں اپنا حصہ مانگ رہی ہیں۔اپنی مرضی سے کام کرنے کی آزادی نے ان میں ایک خوداعتمادی پیدا کردی ہے اور اب وہ اپنے فیصلے خود کرتی ہیں۔

جاپان میں یکساں ملازمت کے مواقع کا قانون سات سال ہوئے منظور ہوا تھا،لیکن اب بھی جاپان میں پرانے اصول ہی چل رہے ہیں جن کے تحت اہم فیصلے مرد ہی کرتے ہیں۔ عورتوں کو انتظامی عہدے ملنے تو لگے ہیں،لیکن فیصلہ کرنے کے اختیارات ابھی ان تک کم ہی پہنچے ہیں۔ چناں چہ عورتوں نے اب فنی مہارت کے ان شعبوں کا رخ کرنا شروع کیا ہے جہاں تن خواہیں زیادہ ہوتی ہیں۔

چوں کہ زیادہ تر خواتین شادی شدہ ہیں اور ان کے بچے بھی ہیں اس لیے جاپان میں ایسے ادارے موجود ہیں جو بچوں کی دیکھ بھال،گھروں کی صفائی اور اسی قسم کے دوسرے کاموں کاانتظام کرتے ہیں۔ یہ ادارے اکثروبیشتر عورتیں ہی چلا رہی ہیں۔ان سے خواتین کو ملازمت کرنے میں بڑی آسانی پیدا ہوگئی ہے۔

جاپانی خواتین ملازمت کے بارے میں مردوں سے مختلف نظریات رکھتی ہیں۔ جاپانی مردوں کا ملازمت کے معاملے میں تصور یہ رہا ہے کہ کمپنی کی خاطر اپنے آپ کو قربان کرنا ہے اور اپنے خاندان کی ذمہ داریاں کو پورا کرنا ہے۔ خواتین کا اس قسم کا کوئی تصور نہیں ہے۔ جاپانی مردوں کو تو یہ سکھایا جاتا رہا ہے کہ انھیں وہ کرنا ہے جو معاشرہ چاہتا ہے۔ خواتین اس کے برعکس اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے اور اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے ملازمت کرنے کا سوچتی ہیں۔ وہ معاشرے کے بارے میں نہیں اپنے بارے میں سوچتی ہیں۔